تہذیبوں کے عروج و زوال میں علم کا کردار

مولانا محمد عیسیٰ منصوری (لندن)

انسان کی قسمت علم سے وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دنیوی واخروی کامیابی و فلاح کا مدار علم پر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی معرفت کے علم کے ساتھ علم الاسماء یعنی کائناتی علم سے بھی سرفراز فرمایا۔ جو بھی قوم کائنات کی ماہیت وحقیقت اور اس کے استعمال کے طریقوں سے زیادہ واقفیت رکھے گی دنیوی نظام واقتدار ان کے حوالے کیا جائے گا یہی ہمیشہ ضابطۂ خداوندی یا سنت اللہ رہی ہے۔

تشریحی و تکوینی دونوں علم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعے انسانوں کو عطا کیے۔ اللہ کا آخری پیغام (قرآن) دونوں علوم سے بھرپور ہے۔ دونوں علوم کی اہمیت سیکڑوں آیات سے ہویدا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کو ایک وحدت کے طور پر دیا اور آپ کی تربیت کردہ جماعت نے دونوں علوم میں سرفرازی حاصل کی۔

کائناتی نظام کو احسن طریقہ پر چلانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولیات اور معاصر اقوام پر غلبہ کے لیے عصری ٹیکنالوجی میں سبقت دورِ عثمانی کے بحری بیڑے سے ظاہر ہے جس نے ۶۵۴ء میں اس دور کی سب سے بڑی سپر پاور (سلطنت روما) کے بحری بیڑے کے تمام پانچ سو جہاز ایک دن میں بحر روم میں غرق کر کے بحر روم سے ۸۰۰ سالہ رومی تسلط ختم کر کے اس پر مسلمانوں کی حکمرانی قائم کر دی۔ اس کے بعد اسلامی بحری طاقت کو صدیوں تک کوئی قوم چیلنج نہ کر سکی۔

دورِ خلافتِ راشدہ کے بعد اسی سالہ اموی دور میں مسلمان افریقہ، وسط ایشیا یورپ کی فتوحات واستحکام کے ساتھ اس دور کے تمام کائناتی وعصری علوم وفنون میں اقوام عالم سے سبقت حاصل کر چکے تھے۔ مامون الرشید کے دور میں اقوامِ عالم کے پاس موجود انسانی تجربہ وتحقیق پر مشتمل کائناتی علوم کے یونانی، سریانی، سنسکرت اور لاطینی زبان سے اس قدر سرعت سے عربی میں تراجم ہوئے جو بعد کے ہزار سال میں نہ ہو سکے۔

نزولِ قرآن سے جن علوم کا چرچا شروع ہوا، جلد ہی قاہرہ، سسلی، طلیطہ، قرطبہ ان علوم کے مرکز بن گئے۔ دنیا کے کونے کونے سے کتابیں ان مراکز میں پہنچنے لگیں۔ یونان، مصر، ہندوچین کے تمام علوم آٹھویں صدی عیسوی تک عربی میں منتقل ہو چکے تھے۔ مسلمانوں نے ان علوم کا صرف ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ انھیں عصری طور پر قابل فہم بنایا۔ یہ علوم جو مبادیات کے درجہ میں تھے، انھیں ارتقاء کے منازل طے کرائے تاریخ انسانی میں مسلمانوں سے قبل کسی قوم کو بنی نوع انسان کے علوم کے تمام جوہر کسی ایک خزانہ میں منتقل کرنے کا افتخار حاصل نہ ہو سکا تھا۔ مغرب کی سرحدوں پر ان علوم کے دو بڑے

مراکز تھے۔ ایک قرطبہ، دوسرا سسلی ان مراکز سے یورپ میں علوم کی مشام جانفزا پہنچنے لگی۔ یاد رہے سسلی ابتداء میں تیسری صدی ہجری سے پانچویں صدی ہجری تک مسلمانوں کے زیرنگیں رہا۔ اس لیے یورپ میں سب سے زیادہ علوم سسلی کے ذریعے منتقل ہوئے پھر اسپین میں ہزارہا سال کے انسانی تجربات اور سائنسی علوم کو آگے بڑھانے کے لیے بکثرت یونیورسٹیز، تجربہ گاہیں اور رصدگاہیں قائم ہوئیں جو دنیا کے کائناتی علوم میں بے انتہا اضافہ کا سبب بنیں۔ تقریباً چھے سو سال تک مسلمان دنیا بھر کی اقوام سے کائناتی علوم وسائنس میں فائق رہے۔

جب سپین علوم وفنون سے جگمگا رہا تھا، یورپ وحشت وجہالت کے تاریک دور میں تھا، جب سپین میں علوم وفنون کی شاندار جامعات تھیں۔ یورپ میں علوم کے ابتدائی مدارس بھی ناپید تھے۔ جب اسپین کی شخصی لائبریریوں میں لاکھوں کتب تھیں، یورپ کے بادشاہوں کی لائبریریوں میں گنتی کی کتب ہوتی تھیں۔ یورپ کے غیر فطری موسم کی طرح ان اقوام کا مزاج ونفسیات بھی ہمیشہ انتہا پسندانہ اور وحشت وبربریت کا شائق رہا۔ خونریزی ودہشت گردی اور سازشیں ہمیشہ ہی یورپ کی فطرتِ ثانیہ رہی ہیں، سپین میں یمن وحجاز کے قبائل کے مابین عصبیت جاہلیہ کی خانہ جنگی نے سپین سے عرب سلطنت اکھاڑ پھینکنے کا موقع یورپ کو فراہم کر دیا، اس طرح سپین سے طبیعیاتی (سائنسی) اور دیگر کائناتی علوم کی ترقیات کی بساط لپیٹ دی گئی۔

سپین کی تباہی کے ساتھ ساتھ تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کی خلافتِ عباسیہ اور عالم اسلام کے بڑے حصے کی تباہی وبربادی نے مسلمانوں کے علوم وفنون اور تہذیب کو زوال پذیر کر دیا۔ اگرچہ جلد ہی تاتاری نسل نے اسلام قبول کر کے اپنی شمشیر خاراشگاف سے مشرقی رومن امپائر کے بڑے حصے کو فتح کر کے مشرقی کرسچین کیپٹل قسطنطنیہ بھی فتح کر لیا۔ تاتاریوں کا پس منظر جنگجویانہ تھا، وہ اسلام کے بازوئے شمشیر زن تو بن گئے مگر عربوں کے تجرباتی وسائنسی علوم کے وارث نہ بن سکے۔

جب ترکوں اور مشرقی بازنطینی سلطنت روما کے درمیان جنگ رہی رومن امپائر (پوپ) مشرقی عیسائیت سے شدید نفرت وعداوت کی بناء پر خاموش تماشائی بنی رہی لیکن جب ترکی افواج نے یورپ کے مشرقی ممالک کو فتح کرنا شروع کیا تو یورپ (مغربی سلطنت روما) اور ویٹی کن کے پوپ وپادریوں نے اسلام اور مسلمانوں کے مکمل خاتمہ تک اعلانِ جہاد کر کے اپنی ساری طاقت صلیبی جنگوں میں جھونک دی۔ اگرچہ سقوطِ سپین اور تاتاریوں کی یلغار کے بعد عالمِ اسلام میں علوم وفنون کا زوال شروع ہو گیا تھا مگر اب بھی علوم میں وہ یورپ سے بہت فائق تھا۔ یورپ کی شروع کردہ صلیبی جنگیں یورپ ومسیحیت کی مکمل شکست پر منتج ہوئیں۔ ان جنگوں میں یورپ نے مسلمانوں کی علمی برتری کا مشاہدہ کر لیا تھا۔ چنانچہ شکست کے اسباب پر غور وخوض اور اسلام اور مسلمانوں کے مکمل استحصال کے لیے کسی نئے لائحہ عمل کی تلاش میں مغرب کے مذہبی پادری وسکالر اور حکمران سر جوڑ کر بیٹھے۔

تیرہویں صدی عیسوی (۱۲۷۰ء) میں شاہ فرانس نہم نے جسے مصر میں گرفتاری کے بعد تیونس پر حملہ میں مکمل ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا، مرتے وقت وصیت نامہ میں لکھا کہ ہم عرصہ سے مسلمانوں کو مغلوب کرنے کی کوششوں میں

مصروف ہیں۔شدید جنگوں کے باوجود ہم غالب نہیں آسکے کیوں کہ مقابلہ کے وقت مسلمانوں میں ایسا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے جس کا مقابلہ مشکل ہے۔اس لیے اب ہمیں دوسرے وسائل واسباب اختیار کرنے چاہئیں اوراس کی یہی تدبیر ہے کہ جنگ کوعسکری محاذ سے علمی وروحانی محاذ پر منتقل کردیا جائے۔یہ وصیت نامہ آج بھی پیرس میں محفوظ ہے جس میں چارنکاتی پروگرام پیش کیا گیا ہے:

(۱) مسلمان قائدین میں پھوٹ ڈالنا

(۲) کسی راسخ العقیدہ صحیح فکروعمل والی جماعت کومنظم نہ ہونے دینا

(۳) مسلم معاشرہ کو بے حیائی،اخلاقی انارکی اوررشوت وغیرہ کے ذریعے کھوکھلا کرنا

(۴) غزہ(فلسطین واسرائیل) سے انطاکیہ تک وسیع ومتحد یورپین امپائر قائم کرنا۔

چنانچہ شہنشاہ فرانس کی وصیت کی روشنی میں محاذِ جنگ کواسلحہ سے علم کی طرف موڑنے کا کام شروع ہوا،اس سلسلے میں سب سے اہم پیش رفت اس وقت ہوئی جب یورپ کا سب سے بڑا سائنس دان راجربیکن (Roger Bacon) اورطلیطہ (Toledo) کا رئیس الاساقفہ (آرچ بشپ) ریمندلل (Ramad lull) نے رومن پوپ سے (جوتقریباً ۷۰۰ سال سے عملاً یورپ کا حکمران تھا) طویل مذاکرات ومباحثوں کے بعد عربی زبان اوراس کے ذریعے مسلمانوں کے علوم (کائناتی وسائنسی) کوحاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔پوپ کوشروع میں تردد تھا کہ کہیں عربی زبان اورعلوم کی راہ سے مسلمانوں کا تمدن اور مذہب نہ سرایت کرجائے۔بڑی ردّوقدح کے بعدان سکالرز نے پوپ کواطمینان دلایا کہ مسلمانوں سے علوم کے حصول کے ساتھ ساتھ ہم اسلام کومسخ کرنے اوراسلام کی نفرت انگیز ودہشت گردانہ تصویر بنانے کا کام بھی ساتھ ہی کریں گے۔تب پوپ نے ایک عظیم مشن کے طور پر اسلامی علوم وفنون سیکھنے اوران علوم میں مسلمانوں کو پیچھے دھکیلنے کے کام کی اجازت دی۔

اقوامِ عالم کے درمیان جنگ کا فیصلہ کن پہلو ہمیشہ علمی رہا ہے۔شکست کھاجانے والی اقوام کے لیے دوبارہ غلبہ وعروج کی راہ صرف علم کی شاہراہ سے گزرتی ہے۔دوسری عالمگیر جنگ میں جاپان پر امریکی فتح درحقیقت امریکہ کی سائنس وٹیکنالوجی کی فتح تھی۔اس بھیانک شکست کے بعد جاپان نے شکست کے حقیقی اسباب یعنی علم اورسائنس پر توجہ مرکوز کرکے علومِ فطرت میں پیش رفت جاری رکھی۔نصف صدی کے اندراندراس چھوٹے سے جزیرے نے دنیا کی سب سے بڑی امپائر کو پیچھے دھکیل دیا۔اب امریکہ کے لیے ممکن نہیں رہا کہ وہ جاپان کونظرانداز کرسکے۔علم نے مفتوح کو فاتح پر برتری دلوادی۔

گیارہویں صدی عیسوی میں عربوں سے ملنے والے علمی ورثہ نے عثمانیوں (ترکوں) کواس قابل بنادیا تھا کہ وہ دنیا کی سب سے بڑی سیاسی وعسکری طاقت (رومن امپائر) کا سامنا کرکے اسے شکست دے سکیں مگران سے غلطی یہ ہوئی کہ انھوں نے صرف عسکری قوت پر تکیہ کیا،علمی ورثہ کوآگے بڑھانے پر توجہ نہیں دی کیوں کہ ترکوں کا ماضی محض عسکری تھا،

وہاں کوئی علمی روایت نہیں تھی۔ انھیں احساس اس وقت ہوا جب بہت دیر ہو چکی تھی۔ ایک طرف مغرب علم میں بہت آگے بڑھ گیا تھا۔ دوسری طرف مسلمانوں نے دوسروں سے علم اخذ کرنے کی صلاحیت کھو دی تھی۔ علم سے استفادے کے لیے وسعتِ نظر ضروری ہے۔ جابر بن حیان کا قول ہے ''علم میں اضافے نیز نئے نئے انکشافات و ایجادات کے لیے انسان کے سامنے کوئی حد نہیں، اسے چاہیے کہ وہ تمام کائنات کے اسرار منکشف کرنے کی کوشش کرے اور یہ کہ اس عالم سے ماوریٰ جو اسرار ہیں ان سب کو منکشف کرنے کی اسے صلاحیت عطا کی گئی ہے۔''

اسی طرح القانون مسعودی کے مقدمہ میں مسلم دنیا کی سب سے بڑی علمی و سائنسی شخصیت البیرونی کا قول نقل کیا گیا ہے: ''میں نے وہی کیا جو ہر انسان کو اپنے فن میں کرنا لازم ہے یعنی اگلوں کے اجتہادات و انکشافات کو ممنونیت کے ساتھ قبول کرے اور کہیں خلل پائے تو بے جھجک اس کی اصلاح کرے اور جو کچھ اس فن میں اسے سوجھے اپنے بعد کے زمانہ میں آنے والوں کے لیے محفوظ کر جائے۔''

برطانیہ کے سب سے بڑے مؤرخ آرنلڈ ٹوئن بی نے اعتراف کیا کہ یونان و روم کے علم الاصنام (بت پرستی) نے علم کو سب سے زیادہ نقصانات پہنچایا، اس نے مظاہرِ قدرت کو معبود (دیوی دیوتا) بنا کر تجربہ اور سائنس کا باب بالکل بند کر دیا۔ انسانیت پر علوم و سائنس کا دروازہ قرآن کے انقلابی نظریۂ توحید نے کھولا اس انقلابی نظریہ نے مظاہر قدرت کو معبود کے مقام سے اتار کر ادنیٰ مخلوق اور انسان کو اشرف مخلوق کے درجہ میں رکھا، اسی طرح مظاہرِ قدرت و اشیائے کائنات، پرستش کے بجائے تسخیر اور فائدہ اٹھانے کی چیزیں بن گئیں۔ یہی بات انسا ئیکلو پیڈیا برٹانیکا (۱۹۸۴ء) کے مقالہ نگار نے لکھی: ''یونانی علوم کارومنوں کی بے توجہی سے خاتمہ ہو گیا تھا، دوبارہ یورپ کو یہ تمام علوم عربوں اور عربی کتب کے واسطے سے ملے۔ عربوں نے ان علوم میں بیش بہا اضافہ کر کے واپس کیا، اس طرح یورپ میں سائنس کے احیاء کا دور شروع ہوا۔''

یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ یورپ نے عربوں سے اکتسابِ علم اور عربی کتب کے ترجمے صلیبی جنگوں سے نہیں بلکہ اس سے بہت پہلے شروع ہو گئے تھے۔ یہ عمل صدیوں تک مسلسل جاری رہا۔ ان کے مراکز ہسپانیہ، سسلی (اٹلی) اور بیرظہ (ترکی) رہے۔ چنانچہ فرانس کا مشہور مؤرخ موسیو لیبان اپنی کتاب ''تمدن عرب'' میں لکھتا ہے ''عربی اور اسلامی علوم صلیبی جنگوں سے نہیں بلکہ اس سے بہت پہلے اندلس و سسلی کے ذریعے پہنچے۔ البتہ اس میں تیزی بارہویں صدی میں پوپ راجر بیکن اور ریمند لل کے منظّم منصوبہ کے بعد آئی۔ ۱۱۳۰ء میں طلیطہ کے آرچ بشپ ریمند لل (Remandlull) کی سرپرستی میں عربی سے لاطینی مترجمین کا ادارہ قائم ہوا، جس نے مختلف فنون کی عربی کتب کا لاطینی میں ترجمہ کیا:'' یاد رہے ۱۰۸۶ء میں طلیطہ (Toledo) کے سقوط کے بعد طلیطہ کے نادر کتب خانے عیسائیوں کے قبضے میں آئے۔ عیسائی قبضے کے بعد بھی بدستور عربی زبان کا چلن رہا۔ طلیطہ کے نادر کتب خانے عیسائیوں کے قبضے میں آئے۔ طلیطہ کے آرچ بشپ ریمنڈ لل (1126-1115) نے ایک دارالترجمہ قائم کیا جو عربی سے لاطینی میں تراجم کے فرائض انجام دیتا تھا۔ یہ

دارالترجمہ تقریباً ایک صدی تک کام کرتا رہا۔اس میں مسلم علماء، یہودی مترجمین اور مغربی اہل قلم سب ہی ملازم تھے۔اس ادارے کا سربراہ ایک اطالوی جراد آف کریمونا(Gerard Cermona) تھا جس نے خود کم ازکم ۷۱ نادر کتب کا ترجمہ کیا۔اس عہد میں فلسفہ، ریاضی، طب کے علوم کو خصوصیت کے ساتھ مغربی زبانوں میں منتقل کیا گیا۔ ریمنڈلل نے کلیسا کو دعوت دی کہ علوم شرقیہ کے مطالعے کو علمی وروحانی صلیبی جنگ کے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جائے یہی کام روجر بیکن نے کیا۔

مغرب نے ان مجالس ومباحثوں میں اپنی کمزوریوں کی تشخیص کر لی تھی اور وہ دشمن (مسلمانوں) کی برتری کے راز معلوم کر چکے تھے،اس کمزوری کو رفع کرنے اور دشمنوں پر برتری حاصل کرنے کا جامع منصوبہ تیار کر کے اس پر عمل درآمد شروع ہوا۔ اسلامی ومشرقی علوم کا گہرا مطالعہ اس جنگی منصوبہ بندی کا اہم حصہ تھا۔مستشرقین اس علمی وروحانی حروبِ صلیبیہ کا ہراول دستہ تھے۔اس دور میں اس موضوع پر یورپ میں سنجیدگی سے بین الاقوامی کانفرنسیں ہوئیں، اغراض ومقاصد کا تعین ہوا،طریقہ کار طے کیے گئے،علوم مشرقیہ کے بامقصد مطالعہ کا دور شروع ہوا جن کا سب سے اہم متعینہ مقصد تھا عیسائیت کی ترویج اور اسلام کی بیخ کنی کے لیے خود کام کیا جائے اور دوسروں کو مواد پہنچایا جائے۔کلیسا کو یہ خوف لاحق تھا کہ کہیں اسلام کے تمدنی ومذہبی اثرات مغرب میں نفوذ نہ کر جائیں،اس خدشے کے پیش نظر کلیسا نے انھیں کالے علوم کا خطاب بخشا اور اپنی حدود میں ممنوع قرار دیا اور مسلمانوں کے مادی وکائناتی علوم و نقل کرنے سے پہلے ان بپتسمہ (اسلامی اثرات ختم کرنا) ضروری سمجھا گیا۔

یہ حقیقت قابل غور ہے کہ ۱۳ویں صدی عیسوی میں یورپ میں جب علم کا چرچا شروع ہوا اس وقت ان کا مظہر وہ یونیورسٹیز تھیں جو ابتداً صرف انھی شہروں میں قائم ہوئیں جو عربی واسلامی علوم کے اخذ واکتساب کے مراکز تھے۔مغربی مورخین نے بارہا ان جامعات کے قیام کی توجیہہ کرنے کی کوشش کی مگر اطمینان بخش توجیہہ نہ دے سکے کیوں کہ یہ جس انداز میں قائم ہوئیں ماضی میں ان کی کوئی مثال یورپ میں موجود نہ تھی،ان کا تصور نہ یونانیوں کے ہاں تھا نہ یورپ کے قرونِ وسطیٰ میں۔ یہ جدید یونیورسٹیاں اپنے منصوبوں اور تمام تر اصول وفروغ میں صرف اور صرف اسلامی عربی یونیورسٹیوں کی تقلید پر قائم تھیں۔

عربوں نے اجنبی اقوام سے علم سیکھنے کا کام اس وقت کیا جب وہ اسلام قبول کر چکی تھیں یا اسلام کے زیرنگیں آچکی تھیں،اس لیے عربوں کے اجنبیوں سے علمی استفادے میں تعصب کا عنصر بالکل نظر نہیں آتا۔اس کے برعکس مغرب نے عربوں کو اپنا دشمن وحریف سمجھتے ہوئے ان سے علم اخذ کرنا شروع کیا۔اس سے ان کے ہاں علمی سرقہ رواج پایا کہ مسلم علماء وسائنس دانوں کی دریافتوں،انکشافات اور ایجادات کا سہرا اپنے بشپوں، پادریوں اور سکالرز کے سر باندھ دیا جائے۔ چنانچہ گیارہویں صدی عیسوی میں ابن عدون (Abn Adon) نے تحریر کیا:''کتابوں کو عیسائیوں کے ہاتھوں فروخت نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ وہ اس کا ترجمہ کر کے اپنے بشپوں (Bishops) سے منسوب کر دیتے ہیں۔''

عربوں نے شروع ہی سے علمِ حدیث کی طرح ہر علم میں استاد پر زور دیا، یعنی عرب مصنفین یہ بتانا ضروری سمجھتے تھے کہ یہ علم انھوں نے کس سے لیا۔ جب کہ یورپ میں استاد کا رواج کبھی نہیں رہا۔ خصوصاً لاطینیوں کے ہاں عربوں کی طرح یہ اصول نہیں تھا کہ تصانیف کو ان کے اصل لکھنے والوں سے منسوب کرنا ضروری ہے۔ اس کی سب سے نمایاں مثال خود ریمنڈلل اور روجر بیکن ہی ہیں جنھوں نے تمام عمر عربوں سے علوم اخذ کیے، بعد میں بہت سی کتب لکھیں جو سب عربی الاصل یا عربوں کی کتب کا ترجمہ ہیں مگر اس کو کہیں ظاہر نہیں کیا۔ ان کا تمام تر انحصار الکندی، ابن سینا، ابن رشد وغیرہ وغیرہ جیسے عرب مؤلفین پر رہا۔ راجر بیکن کو تو پوری طرح عربوں کا شاگرد کہنا چاہیے، یورپ میں اس کی پہچان جن نئی اہم دریافتوں کے حوالے سے ہوئی یہ سب عربوں کی دریافتیں تھیں مثلاً راجر بیکن سے علم البصریات میں جو کارنامے منسوب ہیں ان کی بنیاد ابن الہیثم کے نظریات پر تھی، اسی طرح طب وفلکیات کا علم مغرب کو سپین کے مشہور یہودی عالم موسیٰ بن میمون سے ملا، جس نے ابن سینا کی القانون اور مسلمانوں کے دیگر بکثرت علوم کا ترجمہ کرکے دیا ادیلارڈ آف باتھ (Adelord of Bath) جو مغرب میں جغرافیہ وفلکیات کا بانی سمجھا جاتا ہے، اس کی مشہور کتاب (Introduction to the Astronomy) الخوارزمی کی کتاب کا ترجمہ ہے۔ مغرب کے مشہور مصنف رابرٹ نے الخوارزمی کے الجبرے کے علم کو لاطینی میں منتقل کیا، جس کی وجہ سے عربی ہندسوں نے رومن ہندسوں کی جگہ لی اور مغرب میں صفر کا استعمال شروع ہوا جس پر آج کی ریاضی، ٹیکنالوجی اور سائنس کا دارومدار ہے ورنہ رومن ہندسوں میں یہ صلاحیت نہیں تھی کہ وہ ریاضی، سائنس، ٹیکنالوجی میں استعمال ہوسکیں۔ ایک عرب عالم کی کتاب المعراج کا ترجمہ الفانسو دہم کے لیے کیا گیا۔ ۱۹۱۸ء میں آسن پولاسئس (Asin Polacius) نے یہ تحقیق کرکے مغرب کے علمی حلقوں میں تہلکہ برپا کردیا کہ دانتے کی تصنیف (Divine COmmedia) اسی کتاب المعراج کا چربہ ہے۔ ریمنڈلل کو ۲۰ سے زیادہ اہم کتب کا مصنف سمجھا جاتا ہے۔

جدید تحقیق سے واضح ہوگیا کہ یہ سب عربی تالیفات کے ترجمے ہیں۔ اسی طرح علی بن موسیٰ مجوسی کی کتاب ''کامل الضاعۃ الطبیہ'' یورپ کے اطباء میں دوسو سال تک اس حیثیت سے مقبول رہی کہ یہ مسیحی قسطنطین کی تصنیف ہے۔ عظیم البرٹس (Albertus Magnus) کو یورپ میں ارسطو کے علوم کا سب سے بڑا عالم وماہر سمجھا جاتا رہا۔ جدید تحقیقات نے ثابت کردیا کہ وہ یونانی زبان سے ناواقف تھا، اس نے ارسطو کے جو کچھ علوم پیش کیے، وہ سب کے سب ابن سینا، ابن رشد وغیرہ کی شروح کا سرقہ تھا۔ تاتاریوں کے ذریعے بغداد کے کتب خانوں کی تباہی اور اس کے بعد قرطبہ، طلیطہ کے کتب خانوں کا نذرِ آتش ہوجانا ایسے عظیم سانحے تھے جس نے علمی سرقوں کی تحقیقات کا امکان ہی ختم کردیا۔

یورپ کی سرقہ کی یہ رو ۱۶ ویں صدی عیسوی تک برابر چلتی رہی۔ حتیٰ کہ ۱۷ ویں صدی تک مغرب کی تاریخ علوم میں عرب علماء، سکالرز کا نام یکسر فراموش ہوچکا تھا۔ چنانچہ بعد والی یورپین نسلیں اور سکالرز یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ ان کے پاس جو کچھ علوم ہیں، وہ عربوں کے عطا کردہ ہیں۔ بندہ کے نزدیک یہ مغرب کی علمی دہشت گردی ہے کیوں کہ اس

سب کے لیے سرقہ کا لفظ بہت چھوٹا پڑتا ہے۔

الغرض یورپ ۱۶ ویں صدی عیسوی تک کائناتی علوم وسائنس میں آگے نکل گیا اور اسے عالمی طور پر غلبہ حاصل ہوگیا۔ حتیٰ کہ ۱۶ ویں صدی میں مغل امپائر اکبر اعظم کے دور میں برصغیر کے حاجیوں کے جہاز ان کی اجازت کے بغیر سفر نہیں کرسکتے تھے۔ اس وقت ہمارے علماء وسکالر اس قسم کی مجالس منعقد کر کے معروضی حالات کا جائزہ لے کر ملتِ اسلامیہ کو بتاتے کہ یورپ کا عروج درحقیقت علمی وسائنسی ہے، یورپ نے یہ علم ہمارے اسلاف ہی سے حاصل کر کے ان میں مزید اضافہ کر کے غلبہ وقوت حاصل کی ہے۔ اس لیے ہمیں ان علوم کو جو ہماری ہی میراث ہے، دوبارہ حاصل کر کے مغرب کو علم کے میدان میں شکست دینی ہے تو تاریخ پھر اپنے آپ کو دہراتی، جیسے ۱۳ ویں صدی میں یورپ، راجر بیکن، ریمنڈلل کے حصولِ علم کے فیصلے کے بعد یورپ میں دہرائی گئی مگر ہم نے اپنی کوتاہ فہمی سے جہد ومقابلہ کو علمی وسائنسی میدان کے بجائے صرف اسلحی اور ثقافتی وتہذیبی میدان تک محدود رکھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ علم وسائنس میں سبقت کی وجہ سے ہم مغرب سے اسلحی وعسکری طور پر بھی مغلوب بلکہ مکمل محتاجی کے عالم میں ہیں۔ اسی میدان میں مقابلہ کرتے رہے جس میں یورپ کی فتح وکامیابی اور ہماری شکست وتباہی یقینی تھی۔ ہم نے جہد وکوششوں کا رخ علوم کے بجائے یورپ کی تمدن وثقافت اور معاشرتی خرابیوں کے رد تک محدود رکھا جو آسمانی تعلیمات سے محروم اور نفس وخواہشات کے اتباع کرنے والی قوموں کا خاصہ ہے۔

الجزائر کے شیخ عبدالقادر، لیبیا کے سیدی احمد شریف سنوسی، داغستان کے امام شامل سے لے کر افغانستان کے طالبان تک دینی علوم واصناف کے اعتبار سے بہترین لوگ تھے۔ آج الجزائر، لیبیا، داغستان وافغانستان میں عسکری جدوجہد کا نتیجہ سامنے ہے۔ اب بھی ضرورت ہے کہ جدوجہد کو علمی، سائنسی وتحقیقی محاذ کی طرف بھی موڑا جائے جس طرح ۱۳ ویں صدی عیسوی میں یورپ کے مذہبی سکالرز نے کیا تھا۔ تب ہی مستقبل میں مغرب کی ہمہ جہتی غلامی سے خلاصی کی امید رکھی جاسکتی ہے ورنہ مزید تباہی وغلامی سامنے ہے۔

ماہانہ مجلس ذکر واصلاحی بیان

2 نومبر 2008ء
اتوار بعد نماز مغرب

دفتر احرار 69/C
وحدت روڈ نیو مسلم ٹاؤن لاہور

ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری
دامت برکاتہم
(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)

نوٹ: ہر انگریزی ماہ کی پہلی اتوار کو بعد نمازِ مغرب مجلس ذکر واصلاحی بیان ہوتا ہے

تحریک تحفظ ختم نبوت (شعبہ تبلیغ) مجلس احرار اسلام لاہور　فون: 042-5865465